

جیا قریشی

بہتر درجہ

وہ گذشتہ چھ ماہ سے جس اذیت اور کرب میں مبتلا تھا اس کا اندازہ تو وہی لگا سکتا ہے جو خود اس کرب سے گزرا ہو۔
اس اذیت و کرب کی وجہ سے اس کا کیریئر داؤ پر لگ گیا تھا، کئی بار اسے سخت پنش کے ساتھ وارن کیا گیا تھا، پر وہ بھی
کیا کرتا دکھ ہی اسے ایسا ملا تھا۔
”وہ مر گئی ہے“ وہ بڑا یا ”لجے بے یقینی سے پر تھا۔



مکمل ناول



”تمہاری وجہ سے مرگئی وہ“۔ اس کے اندر کوئی چیخا۔
 ”نہیں.....“ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ کمرے میں تیزی سے ٹہل رہا تھا دماغ پھٹنے کو ہو رہا تھا وہ بے انتہا
 مضطرب تھا۔
 ”تم نے اب تک لائٹ بھی نہیں جلائی“۔ اس کا روم میٹ فراز اندر داخل ہوا تھا اندھیرا دیکھ کر اس نے لائٹ
 جلائی۔ اس نے اس طرح پریشان ٹہلتے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔
 ”اپنی پرالیم.....؟“ فراز نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔
 ”نو.....“

”شیور.....؟“

”یا.....“ وہ بد قسمت مسکرایا تھا۔

فراز نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا وہ کئی مہینوں سے اسے اس طرح دیکھ رہا تھا مگر جانتا تھا کہ وہ کچھ نہیں
 بتائے گا سو وہ خاموشی سے اپنے بیڈ کی طرف بڑھا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھی کتاب اٹھا کر باہر نکل گیا۔
 ٹہلتے ٹہلتے وہ تھک گیا تھا چھ ماہ کی اس اذیت نے اسے اتنا نڈھال کر دیا تھا کہ اب مزید اس کی برداشت سے
 باہر ہو گیا تھا بیڈ پر لیٹ کر اس نے اپنا سیل فون اٹھایا اور کئی بار کے پڑھے ہوئے اس کے میجر دوبارہ پڑھنے لگا۔

”محبت بین کرتی ہے

محبت آپہں بھرتی ہے

کسی ٹوٹے ہوئے دل میں

کسی ٹپکے ہوئے آنسو میں

روتی ہے پھلتی ہے

محبت بین کرتی ہے

کہیں جاڑے کی راتوں میں

دیا جب ٹھکائے تو.....

کوئی بھولا ہوا راہی

پلٹ کے جب نہ آئے تو.....

یونہی در کھلا رہ جائے تو.....

ہر اک امید بہہ جائے تو.....

ترپتی ہے سسکتی ہے

محبت بین کرتی ہے

یہ غزل پڑھ کر اس کی آنکھ سے آنسو نکل کر اس کے ہاتھوں میں جذب ہو گئے اس نے آنکھیں بند کر لیں اسے
 کچھ یاد آیا تھا۔

جب اس نے یہ غزل سینڈ کی تھی تو پڑھ کر وہ کچھ الجھ سا گیا تھا بھلا محبت بھی کبھی بین کرتی ہے اس نے سوچا تھا اور
 یہی سوچ کر اس نے رباب کو کال کی تھی۔

”یہ کیا عجیب و غریب غزل سینڈ کی ہے تم نے میرے تو سر سے گزر گئی بھلا محبت بھی بین کرتی ہے.....؟“ رباب

کی آواز سنتے ہی اس نے پوچھا۔

”ہاں کرتی ہے“۔ اس نے جواب دیا۔

”کیوں اس..... محبت تو خوبصورت جذبہ ہے جس کی خوشبو روح کو مہکا دیتی ہے انسان ہر لمحہ خوش رہنا سیکھ جاتا
 ہے“۔ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر رباب نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

”اپنی ہی بات لے لیں“ آپ کی محبت نے مجھے خوشی سے زیادہ دکھ دیئے ہیں ہنسی سے زیادہ آنسو دیئے ہیں ہر
 وقت مجھے یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ اب آپ ناراض نہ ہو جائے آپ کو کوئی بات بری نہ لگ جائے اب آپ مجھ سے
 جھگڑا نہ کریں جب آپ مجھ سے جھگڑتے ہیں تو مجھے لگتا نہیں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں“۔ بولتے بولتے اس کی
 آواز میں نمی مل گئی۔

”اچھا تو میری محبت تمہیں دکھ دیتی ہے“۔ وہ شدید فٹنے سے بولا تو رباب گھبرا گئی۔

”آپ کے رویے سے میں بہت دھمی ہو جاتی ہوں“ اتنا جھگڑتے ہیں اور کہتے ہیں میں تم سے بہت پیار کرتا
 ہوں رلاتے بھی خود ہیں پھر کہتے ہیں تمہیں رونا نہیں دیکھ سکتا“ کہتے ہیں میں تم سے بات کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور جھگڑ
 کر کئی کئی دن بات ہی نہیں کرتے“۔ وہ دھمی لکھے میں بول رہی تھی۔ رضا چپ رہ گیا کوئی جواب ہی نہیں بن پڑا وہ
 ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی نہ جانے وہ اس کے ساتھ ایسا کیوں کرتا تھا۔

آج بھی کوئی چارون بعد اس نے کال کی تھی معمولی سی بات پر جھگڑا ہوا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح روٹھ گیا۔ رباب
 اسے من مانا کر اور اپنی باگردہ غلطیوں پر حافی مانگ مانگ کر بارگزی تھی اس نے دھمی دل سے یہ غزل سینڈ کر دی اور اب
 پھر جھگڑا ہو گیا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں مگن تھا کہ فراز کمرے میں داخل ہوں اسے داخل ہوتے دیکھ کر رخسانے جلدی سے
 اپنا چہرہ صاف کیا فراز نے اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھا اور سوچا نہ جانے کیا دکھ ہے اسے کچھ جتنا بھی نہیں۔

.....

وہ پاک فضا تھیک کا ہونہار اور چاق و چوبند ہوا باز تھا اس کی کارکردگی پر اسے کئی بار سراہا گیا تھا مگر اب جو اس کا
 حال تھا اس سے اس کا گہرے سبز داؤ پر لگ گیا تھا اس کی معمولی سی غلطی خود اس کی جان کے لئے اور ملک کے لئے بھی
 نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی وہ اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا مسلسل سوچوں نے اسے بیمار کر دیا تھا اسے مسلسل بخار اور سر
 درد رہنے لگا تھا۔ ڈاکٹر نام نہ ہو گیا تھا فراز کھانا کھانے نہیں کی طرف جا رہا تھا مگر کچھ سوچ کر وہ اپس روم میں چلا گیا۔

”رضانہ.....“ اس نے کھڑکی میں کھڑے رضا کو آواز دی۔ اس نے سنا نہیں تھا فراز اندر چلا آیا۔

”رضانہ.....!“ فراز نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”ہاں.....“ وہ چونک کے مڑا۔

”تم پھر کچھ سوچ رہے ہو“۔

”نہیں تو.....“ وہ فٹی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”چلو کھانا کھانے“۔ وہ پلٹا۔

”تم کھاؤ مجھے بھوک نہیں ہے“۔ وہ بیڈ کی طرف بڑھا۔

”شرافت سے چلو“۔ فراز نے اس کا بازو پکڑا ایک سال سے دو روم میٹ تھے اتنی دھونس تو وہ جہاں ہی سکتا تھا سو وہ
 زبردستی اسے لے آیا نہیں کھانا کھانے کے لئے اس نے کھڑے ہو کر جگ خالی بولنے کا اقرار کرنے لگے
 اسے پکڑا لے لگے تنہا اس نے ناشکیل چکراتے سر کو ایک آنکھ سے دیکھا اس کی کوشش کی وہ گہری جانتا اگر فراز نہ سنبھالتا۔

”رضا.....“ فراز سے بازوؤں میں سنبھالے آواز دے رہا تھا۔
 ”اسے یہاں بٹھا دو“۔ اس کی حالت دیکھ کر ایک فوجی نے جلدی سے اپنی کرسی خالی کی تھی اس کے سر میں شدید
 ٹیسس اٹھ رہی تھیں اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔
 ”رضا.....“ اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے فراز کو احساس ہوا کہ اسے تیز بخار ہے۔
 ”رضا.....! تمہیں تو بخار ہے“۔ فراز اس کا گال تھپک رہا تھا۔
 ”یہ لو اسے پانی پلاؤ“۔ ایک فوجی نے گلاس فراز کی طرف بڑھایا۔
 ”پانی پیو.....“ فراز نے اسے گلاس پکڑا یا جسے اس نے ایک گھونٹ بھر کر واپس رکھ دیا۔
 ”میں تمہیں روم میں لے چلتا ہوں“۔ اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر فراز نے اسے سہارا دینا چاہا۔
 ”i am ok“ فراز!۔ اس نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے روکا۔
 ”I feel better“۔
 ”Sorry for disturbed“۔ وہ وہاں کھڑے لوگوں پر نظر ڈال کر بدقت مسکرایا۔
 ”ٹھیک ہے تم کمرے میں چلو میں کھانا وہیں لے آتا ہوں“۔ فراز نے کہا، وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔
 فراز کھانے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوا رضا بیڈ پر لیٹا تھا۔
 ”لو..... اب جلدی اٹھ جاؤ اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں کہ تمہیں بخار ہے نہ جانے تم اتنی اجنبیت کیوں برتتے
 ہو“۔ بولتے ہوئے فراز نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔
 ”اٹھ بھی جاؤ اب“ میں بھوک سے مر جا رہا ہوں“۔ فراز نے اس کا کندھا ہلایا اس نے جنبش بھی نہیں کی تھی۔
 ”او مائی گاڈ“۔ فراز نے جھک کر اس کے گال تھپکتے ہوئے آواز دی۔
 ”رضا..... رضا..... ہوش میں آؤ“۔ فراز نے اس کی ہتھیلی پر ماش شروع کر دی پھر سرعت سے پانی کی بوتل
 کھول اس پر چھینٹیں ماریں اس کی پلکوں میں جنبش ہوئی تو فراز نے اسے دوبارہ پکارا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا وہ اسے
 چھوڑ کر باہر بھاگا اسے ہاسپٹل لے جایا گیا تھا اسے چوبیس گھنٹے بعد ہوش آیا۔
 ”کیسے ہو تم.....؟“ فراز نے فروٹ کے شا پر ز سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”ٹھیک ہوں“۔ لہجہ نقاہت سے بھرا تھا۔
 ”میں جانتا ہوں تمہیں کوئی ٹینشن ہے پر میں نے کبھی تم سے زیادہ نہیں کریدا مگر اتنا تو تم بتا سکتے تھے کہ تم بیمار
 ہو“۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔
 ”تمہارے گھر سے فون آرہا تھا میں تمہارا موبائل لے آیا ہوں اپنے گھر کال کر لینا“۔ فراز نے سائیڈ ٹیبل پر
 اس کا موبائل رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے چونک کر فراز کو دیکھا اور پوچھا۔
 ”تم نے ریسیو کیا تھا“۔
 ”نہیں میں ریسیو کرتا تو تمہارے بارے میں پوچھا جاتا اور مجھے بتانا پڑتا کہ تم ہاسپٹل میں ہو پتا نہیں تم یہ بتانا
 چاہو گے یا نہیں اس لئے میں نے سیل آف کر دیا تھا“۔ فراز نے جواب دیا۔
 ”بھینٹس..... وہ پریشان ہو جاتے“۔ اس نے ممنونیت سے فراز کو دیکھا، فراز نے سر ہلا دیا۔ وہ کچھ دیر بیٹھ کر
 چلا گیا اسے ایڈمٹ ہوئے چوتھا روز تھا اس دوران فراز اور کئی دوسرے فوجی اس سے ملنے آئے تھے۔
 ”یہاں سے ڈسچارج ہونے کے بعد میں کچھ دنوں کی چھٹی لے لوں گا“۔ وہ سوچ رہا تھا۔

”بیلو نیگ مین“۔ سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا اس نے چونک کر دیکھا تو ڈاکٹر کا مسکراتا چہرہ نظر آیا وہ اس کی
 پروگریس رپورٹ دیکھ رہے تھے۔ چیک اپ کر کے انہوں نے کہا۔
 ”تمہاری بہتری کی طرف رفتار کافی ست ہے اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔
 ”تم اب کیسا محسوس کر رہے ہو“ ڈاکٹر نے پوچھا۔
 ”Better“ وہ مختصر بولا۔ ڈاکٹر اسے بغور دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔
 ”تم کیا سوچتے رہتے ہو.....؟“ ڈاکٹر راؤنڈ لگا کر اس کے بیڈ کے پاس آ کھڑا ہوا اور اسے پھر سوچوں میں
 لگایا دیکھ کر پوچھا۔
 ”مجھے کب تک ڈسچارج کر دیا جائے گا.....؟“ جواب دینے کے بجائے اس نے اکتاہٹ سے سوال کیا۔
 ”جب تک تم اپنی سوچوں کو تالا نہیں لگاؤ گے“۔ ڈاکٹر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
 ”کاش کوئی ایسی میڈیسن ہوتی جو سوچوں کو روک سکتی“۔ وہ یاسیت سے بولا۔
 ”تمہیں کیا ٹینشن ہے.....؟ مجھے بتاؤ“۔ ڈاکٹر نرمی سے بولا۔
 ”آپ کیا کریں گے سن کر.....؟“ لہجہ میں حد درجہ سختی تھی۔
 ”تمہاری تکلیف کم ہو جائے گی“۔ ڈاکٹر نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ وہ الجھن بھری نظروں سے ڈاکٹر
 کو دیکھ رہا تھا۔
 ”مجھ پر بھروسہ کرو“ ڈاکٹر کے لہجے میں اصرار تھا۔
 ”میں کسی سے بہت پیار کرتا ہوں“۔ بالآخر اس نے چپ کاروزہ کھول ہی دیا۔
 ”اوہ.....“ ڈاکٹر نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔
 ”پھر کیا وہ تمہیں پسند نہیں کرتی.....؟“ ڈاکٹر نے سوال کیا۔
 ”نہیں وہ بھی مجھ سے بہت محبت کرتی تھی“۔ اس نے جواب دیا۔
 ”تو تمہارے گھر والے تمہیں مانتے یا اس کی فیملی راضی نہیں شادی کے لئے“۔ ڈاکٹر نے اس کے جواب پر غور
 نہیں کیا تھا۔
 ”ایسی کوئی بات نہیں“۔
 ”تو پھر کیا اس کی شادی نہیں اور ہوگی.....؟“
 ”نہیں“۔ وہ بولا۔
 ”تو پھر کیا پرالیم ہے.....؟“ ڈاکٹر حیران ہوا تھا۔
 ”وہ مر گئی ہے“۔ وہ بدقت بولا ہونٹ کپکپا رہے تھے۔
 ”کیا.....؟“ ڈاکٹر شاکڈ رہ گیا تھا۔
 ”آئی ایم سوری“۔ کئی ٹاپے بعد وہ بولنے کے قابل ہوا۔
 ”اب آپ بتائیے کیا میرا درد کم ہو سکتا ہے“۔ وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔
 ”وقت ہر زخم بھر دیتا ہے“۔ ڈاکٹر کا لہجہ مدھم تھا۔
 ”چھ ماہ تو ہو گئے“۔ اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں ڈاکٹر کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ آج اسے ڈسچارج
 کر دیا گیا تھا۔

"Take care" ڈاکٹر نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔
 "you will spend good life hope for good" ڈاکٹر نے تسلی دی تھی۔ وہ بس ڈاکٹر کو
 دیکھ کر رہ گیا۔

"برانہ مانو تو ایک ایڈوائزر دوں۔"

"کیسے؟"

"تم شادی کر لو کسی اچھی سی لڑکی سے۔"

"بابا بابا۔۔۔ وہ ہنس۔"

"میں تو برباد ہوں وہ بے چاری بھی ہو جائے۔"

"ضروری تو نہیں ہو سکتا ہے آبادی ہو جاؤ۔"

"میں چلتا ہوں اب۔" فراز کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ بولا۔

"میری بات پر غور ضرور کرنا۔" ڈاکٹر نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔" اس نے گہری سانس لی۔ اس نے چھٹی کی درخواست دی تھی جسے فوراً ہی منظور کر لیا گیا۔

"جب تم واپس آؤ تو بالکل ٹھیک ہو کر آنا۔" فراز نے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے اس سے غلط کر باہر نکل گیا۔

.....

وہ گھر پہنچا تو راحیلہ بیگم اسے اچانک دیکھ کر حیران ہو گئیں وہ ان کا لاڈلا بیٹا تھا جس سے ملنے کے لئے بھی وہ
 مہینوں ترستی رہتی تھیں دو بیٹیاں تھیں جو اپنے سسرالوں میں خوش تھیں سب سے چھوٹا باسط تھا۔

"السلام علیکم۔" بیگم نے نیچے رکھ کر اس نے انہیں سلام کیا اور گلے لگ گیا۔

"وعلیکم السلام میرے چاند۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ لے کر اس کی روشن پیشانی چومی۔

"اتنے مہینوں بعد آ رہا ہے فون ہی کر دیتا میں تیری پسند کا کھانا پکوا دیتی۔"

"بے فکر رہئے ایک مہینے کے لئے آیا ہوں خوب خاطر کر لیجئے گا۔" وہ مسکرایا۔

"بہت کمزور ہو گئے ہو بیمار تھے کیا۔؟" وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اب آ گیا ہوں نا آپ صحت مند بنا دیجئے گا۔" اس نے ہنسی میں بات نال دی۔

"پاپا کیسے ہیں۔؟" اس نے مراد صاحب کے بارے میں پوچھا۔

"ٹھیک ہیں تمہیں بہت یاد کرتے ہیں رضا ہوتا تو یہ کرتا رضا ہوتا تو وہ کرتا رضا ہوتا تو مجھے کوئی فکر نہیں ہوتی۔"

"میں ان سے مل کر آتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابھی نہیں آئے وہ آفس سے۔"

"کیا اب تک چھپنچ رہے ہیں۔" اس نے ریسٹ وائچ پر دکھ ڈالی۔

"تو تمہیں کیا فکر تم نے تو کی اپنی من مانی اڑتے رہو اب دواؤں میں۔" وہ ناراضگی سے گویا ہو گئیں۔

"ماں پلیز ابھی تو میں آیا ہوں آپ شروع مت ہو جائیے۔" وہ جھنجھکا گیا۔

"اور یہ باسط کیا کرتا رہتا ہے یہ آفس نہیں جاسکتا کیا۔" وہ غصے سے بولا۔

"وہ پڑھ رہا ہے ابھی آفس سنبھالے یا پڑھے۔" انہوں نے بھی اسے غصے سے گھورا۔ انہیں غصے میں آتے

وہ دیکھ کر دونرم ہو گیا۔

"باسط کہاں ہے۔۔۔۔۔؟"

"کوچنگ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں بہت تھکا ہوا ہوں پلیز ماں! مجھے ڈسٹرب مت کر پیئے گا۔" وہ
 کھڑا ہو گیا۔

"کچھ کھا لو پھر سو جانا۔" وہ بھی کھڑی ہو گئیں۔

"فلائٹ میں کھا لیا تھا آپ پلیز کھانے کے لئے بھی مت اٹھائیے گا۔" وہ بیگ اٹھا کر کمرے کی سمت بڑھ گیا۔

اور وہ اس کے روپیے پر غور کرتی رہ گئیں آج سے پہلے وہ جب بھی آتا سب سے باتیں کرتا اور ہنستا بولتا رہتا تھا وہ

کہتی رہ جاتیں بیٹا شکے بارے ہو آ رام کر لو اور وہ جواب دیتا ماں کر لوں گا آرام بھی مہینوں بعد تو آیا ہوں آپ فکر

مت کریں اور آج خود ہی اٹھ کر چلا گیا۔

"تھکا ہوا ہوں گا۔" انہوں نے خود کو مطمئن کیا۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے کوٹ اور شوز اتار کر ایک طرف اچھالے اور بیڈ پر گر گیا یہ اس کی ملکیت تھی

یہاں اس کی بغیر اجازت کوئی نہیں آ سکتا تھا سو یہاں وہ اپنا جی ہلکا کر سکتا تھا بیڈ پر اوندھالیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا

تھا دماغ میں فلم سی چلنے لگی تھی۔

.....

ماں باپ سے لڑ جھگڑ کر اس نے ایئر فورس میں شمولیت اختیار کی تھی یہ ان دنوں کی بات ہے جب اس کی ٹریننگ

چل رہی تھی وہ اپنی معمول کی مشقی پرواز سے واپس آیا طیارہ دن وے پر کھڑا تھا وہ کوہ کوہ اتر۔

"ویل ڈن۔" اس کے انسٹرکٹر نے اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔

"تم بہت شاد پ ہو تمہیں سکھانے میں مجھے بہت مزہ آتا ہے۔" اس کے انسٹرکٹر نے سراہا تھا۔

"تھینک یوسر۔" وہ مسکرایا۔ چائے پینے کے لئے وہ کینٹین میں آ گیا۔

"گلاس شروع ہونے میں تو آدھا کھنٹا ہے۔" لکڑی دیکھ کر وہ خود سے بولا۔ چائے پیتے ہوئے وہ دن بھر کرنے

والے کاموں کو دل ہی دل میں ترتیب دے رہا تھا کہ بل فون کی آواز نے اسے چوٹا دیا۔

"یہ کس کا نمبر ہے۔؟" اسکرین پر انجان نمبر دیکھ کر اس نے دماغ پر زور ڈالا۔ اس نے کال ریسیو کر کے بیلو کیا۔

"السلام علیکم۔" کھٹکتی ہوئی آواز تھی۔

"وعلیکم السلام کون بات کر رہی ہیں۔؟" اس نے سوال کیا۔

"آپ کون ہیں۔؟" جواب دینے کے بجائے اس سے سوال ہوا۔

"آپ نے کال کی ہے آپ بتائیں کون ہیں۔"

"نہیں پہلے آپ بتائیں۔" گلاس شروع ہونے میں بیس منٹ تھے دس منٹ تو اسے کلاس تک پہنچنے میں لگتے

اس لئے اس نے بحث میں پڑنا مناسب نہ سمجھا۔

"میرا نام رضا ہے۔"

"آئی ایم کرن۔"

"سورج کی یا پام کی۔؟" رضا نے شرارت سے پوچھا۔

"سورج کی۔" ہنستے ہوئے جواب دیا گیا اب آواز دہری تھی۔

”اوہ..... تو یہ لڑکی نہیں لڑکیاں ہیں۔“ اس نے سوچا پیچھے کافی شور بھی ہو رہا تھا۔

”اب آپ کون.....؟“ اس نے پوچھا۔

”بتایا تو ہے کرن۔“ ہنستے ہوئے جواب دیا گیا تھا۔

”اوہ..... تو آپ بھی کرن ہیں۔“ اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

”ہاں۔“ جواب دیا گیا۔

”آپ لوگ کہاں سے بات کر رہی ہیں.....؟“ اس نے پوچھا۔

”اپنے گھر سے۔“ جواب دیا گیا۔

”اپنے گھر سے.....“ رضوانے زور دے کر دہرایا

”نہیں تو کیا آپ کے گھر سے بات کریں گے ظاہری بات ہے اپنے گھر سے ہی بات کر رہے ہیں۔“ آواز اب

تیسری تھی۔

”اوہ..... آپ لوگ تو جھوٹ بھی بولتی ہیں ویسے بائے داوے آپ بھی کرن ہی ہو۔“ رضوانے مزے سے کہا۔

”آں ہاں۔“ وہ گڑبڑاتی تھی مگر جلد ہی سنبھل گئی۔

”ہم جھوٹ کیوں بتائیں گے۔“

”آپ کا لُج یا نیورشی سے بات کر رہی ہیں۔“ وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

”آپ کو کیسے پتا.....؟“ حیران لہجے میں پوچھا گیا جس سے تصدیق ہو گئی۔ ساتھ ہی درو بھری آواز ابھری۔

”کم بختو پوچھتی ہوں ابھی تم سے۔“

”کیا ہوا.....؟“ کسی کرن نے آپ کے چٹکی بھری ہے۔“ وہ غفلت سے ہوا تھا۔

”ہاں..... میرا مطلب ہے نہیں آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کو کیسے پتا.....؟“ حیرانی سے سوال کیا گیا۔

”پیچھے سے اتنے شور کی آواز آرہی ہے میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ اس ٹائم آپ کی بریک ہو رہی ہے۔“ اس

نے ہنسی مضطرب کی کال کاٹ دی گئی۔

اس نے زور سے قہقہہ لگایا اس نے ٹائم دیکھا کلاس شروع ہونے میں دس منٹ تھے وہ کلاس کی سمت پل پڑا

میں میں ڈنر کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ ڈنر کے بعد کیا کرے یہاں آنے کے بعد جس چیز نے اسے سب سے

زیادہ ستایا تھا وہ یوریت تھی سوچتے سوچتے اسے آج صبح ان لڑکیوں سے کی ہوئی گفتگو یاد آ گئی اس لڑکی سے بات کرنا

ہوں کم از کم ٹائم تو پاس ہوگا اس نے سوچا اس کی یہاں سلام دعا تو کافی لوگوں سے تھی پر دوستی کسی سے نہیں تھی۔

”پر یہ بری بات ہے۔“ دماغ سے ڈپلا۔

”بری بات کیسے پہل تو انہوں نے ہی کی ہے۔“ دل نے گھر کا۔

”کیسی ہیں آپ.....؟“ اس نے ایس ایم ایس کیا۔

”کون ہو تم.....؟“ تھوڑی دیر بعد پہلائی آیا۔

”ارے.....“ اسے حیرت ہوئی۔

”بڑی عجیب لڑکی ہے اتنی جلدی پھول گئی.....“

”جس سے آپ نے سچ بات کی تھی۔“ اس نے پہلائی کیا اب کے ایس ایم ایس کے بجائے کال آ گئی۔

”ہیلو.....“ اس نے کال ریسپونڈ کی۔

”کیا بکواس کر رہے ہو.....؟ کون ہو تم.....؟ میں نے تم سے کیا بات کی ہے.....؟“ کافی غصیلے لہجے میں پوچھا

گیا۔ اسے بھی غصہ آ گیا مگر ضبط کر گیا۔

”دیکھیں بات نہیں کرنا چاہتیں تو مت کریں مگر جھوٹ تو نہ بولیں آج صبح ہی میری آپ سے قریباً گیارہ بجے

بات ہوئی ہے۔“

”گیارہ بجے۔“ اس نے حیرت سے دہرایا۔ پھر بولی۔

”ایک منٹ۔“

”جھوٹی.....“ وہ غصے سے کھولتے ہوئے بڑبڑایا اور آج صبح ہوئی گفتگو یاد کرنے لگا تو یاد آیا یہ آواز ان لڑکیوں

میں سے کسی کی نہیں ہے۔

”ہیلو۔“ آواز ابھری۔

”ہاں.....“

”آئی ایم سوری میرے سیل سے کال کیا گیا۔“ بٹ میں نے نہیں میری فرینڈ میں سے کسی نے یہ شرارت کی

ہے۔“ وہ شرمندہ لہجے میں بول رہی تھی۔

”آئی نو..... مجھے ابھی یاد آیا آپ ان تینوں لڑکیوں میں سے نہیں ہیں۔“

”تینوں۔“ اس نے دہرایا۔

”جی ہاں مجھ سے تین لڑکیوں نے بات کی حیرت کی بات ہے آپ نے فون جیسی پرسل چیز اپنی فرینڈز کے

ہاتھ میں دے دی۔“

”دیکھیں آپ انہیں غلط مت سمجھیں یہ انہوں نے بس ایک شرارت کی ہے۔“ عجیب لڑکی تھی فرینڈز کی ایک غلط

حرکت کو شرارت کہہ رہی تھی۔

”اور آپ اب پلیز SMS نہیں بھیجئے گا۔“

”OK۔“ اس نے کہا اور کال ڈراپ کر دی۔

تین دن بعد اس نے پھر یوریت سے مجبور ہو کر میسج کر دیا۔

”میں نے منع کیا تھا کہ آئندہ میسج مت کرنا آپ کو سمجھ نہیں آئی میری بات۔“ فوراً ہی غصے سے بھر رہا پہلائی آیا۔

”سوری..... آپ کو برا لگا۔“ مگر میں بہت بور ہو رہا ہوں اور اب یوریت حد سے گزرنے لگی تو میں نے آپ کو

میسج کر دیا۔“

”دوسروں کو تنگ کر کے یوریت دور کرنا یہ کون سا طریقہ ہے۔“ یوریت دور کرنی ہے تو گانے سن لوٹی وی دیکھ لو

کوئی کتاب پڑھ لو دوستوں سے گپ شپ لگا لو گاڑی کے مالک ہو تو ڈرائیونگ پر چلے جاؤ گارڈننگ کر لو کو تنگ کا

شوق ہے تو کچن میں کھڑے ہو کر نئی ریسی ایسا کرو۔“ وہ ایس ایم ایس پڑھ کر مسکرا دیا۔

”ایف ایم پر گانے سن کر میں بور ہو گیا اتنے بکواس گانے آرہے ہیں کتاب میں پڑھ نہیں سکتا کہ فی الحال میر

نہیں دوستوں سے گپ شپ بھی نہیں لگا سکتا کہ یہاں کوئی دوست ہی نہیں ہے گاڑی تو گھر پر ہے گارڈننگ بھی میں

نہیں کر سکتا اور یہاں کچن میں خود کو تنگ بھی نہیں کر سکتے اور میں لڑائی جھگڑے سے کوسوں دور بھاگتا ہوں اور فی وی

لاؤنج میں ہمیشہ ریخوٹ پر دھیگا مشتی ہوتی رہتی ہے۔“ اس نے تفصیلی ایس ایم ایس ٹائپ کیا۔

”کیوں تم جیل خانے میں ہو کیا جہاں کچھ نہیں کر سکتے مگر نہیں ہمارے یہاں کے جیلوں میں فی وی لاؤنج نہیں

ہوتے ارے کہیں تم کوئی وی آئی فی قیدی تو نہیں ہو۔ اسے جواب موصول ہوا جسے پڑھ کر وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔
 ”نہیں میرا جیل سے کوئی تعلق نہیں ہے میری ٹریننگ چل رہی ہے اور جلد ہی میرا شمار پاکستان ایئر فورس کے
 شاہینوں میں ہونے لگے گا۔ انشاء اللہ۔“ اس نے مسیحا ٹاپ کر کے سینڈ کیا۔

”رینٹی۔“ فوراً ہی رپلائی آیا۔
 ”ہاں۔“ اس نے جواب لکھا اب کال آنے لگی اسے حیرت ہوئی کہاں بات کرنے کو راضی نہ تھی اور اب کال۔
 اس نے کال ریسیو کی۔

”آپ واقعی پاک فضائیہ کے پائلٹ ہیں۔“ لہجہ پر جوش تھا۔

”ہوں نہیں لیکن جلد ہو جاؤں گا انشاء اللہ۔“

”آپ کا نام کیا ہے؟“ پوچھا گیا تھا۔

رضا کو حیرت ہوئی اگر پتہ ہوتا کہ اس کے ایئر فورس میں ہونے سے نوبت نام تک پہنچے گی تو وہ پہلے ہی بتا دیتا۔

”رضامراد۔“ اس نے جواب دیا۔

”میں رہا ہوں۔“ اس نے بتایا۔

”ایکپو لی مجھے اپنے ملک کی تینوں فورسز سے بہت لگاؤ ہے۔“ وہ جوش سے بولی۔

”لگ رہا ہے۔“ وہ مسکرا دیا۔ یہ اس کی رہا ب سے دوستی کا آغاز تھا۔

رہا ب اچھی لڑکی تھی آج کل کی لڑکیوں سے بہت مختلف اس سے وہ بہت سنہیل کر محاذ انداز میں بات کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ وہ بھی اس سے اسی طرح بات کرے وہ کافی مضموم اور حساس تھی دوسروں کی تکلیفوں پر فوراً ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے کسی کی سخت بات کا وہ جلد ہی اثر لے لیتی تھی اس کی مصروفیت اور سادہ پن پر اکثر رضا کو حیرت ہوتی تھی آج کل کی تیز رفتار اور صرف اور صرف اپنا فائدہ سوچتی اس دنیا میں بھی ایسی لڑکی ہو سکتی ہے وہ اکثر اس کی حساسیت پر اسے ٹوک دیتا تھا اس نے رہا ب کو کال کی اور اس کی روٹی ہوئی آواز سن کر پریشان ہو گیا۔

”کیا ہوا.....؟“ اس نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ بمشکل بولی۔

”تم کالج آئی ہو.....؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں.....“

”پر تم نے تو کل کہا تھا کہ تم کالج نہیں جاؤ گی۔“ وہ حقیقتاً پریشان ہوا نہ جانے کیا ہوا تھا اس کے ساتھ جو وہ اتنا رورہی تھی۔

”وہ ایک امپورٹنٹ ٹیسٹ تھا۔“ وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔

”کیا ہوا ہے.....؟ آنسو صاف کرو اور مجھے آرام سے بتاؤ۔“

”وہ..... وہ آج بریک میں میں لے کر واپس اپنے ڈپارٹمنٹ آئی تو فائل ایئر کی اسلامک اسٹڈیز کی ٹیچر نے مجھے روک لیا اور مجھ سے پورے کوریڈور کا کچرا اٹھوایا مجھے اس بات کا برا نہیں لگا کہ انہوں نے مجھ سے جمعہ وارہ الا کام کرایا۔ انہوں نے میری اتنی انسٹ کی اور وہ تو سے بات کر رہی تھیں اور پھر میری فریڈ سے میرا بیگ اور کس بھی لے کر چلی گئیں اور جب وہ لینے گئی تو واپس بھی نہیں کیا اور کہا کہ اسی لڑکی کو بھیجو۔“ اس نے بمشکل ہچکیوں کے درمیان بات مکمل کی تو رضا کو بھی کافی غصہ آیا۔

”تم نے پوچھا نہیں انہوں نے ایسا کیوں کیا.....؟“

”وہ کہہ رہی تھیں کہ تمہیں شرم نہیں آتی کچرا پھیلاتے ہوئے اپنے گھر میں تم ایسا گند پھیلاتی ہو وہاں پر پہلے کافی ساری لڑکیاں بیٹھی تھیں جنہوں نے کچرا کیا۔ جب انہوں نے چیخنا شروع کیا تو وہ سب بھاگ گئیں میں نے انہیں بتانا چاہا کہ میں نے ابھی لے کر لیا تھا انہوں نے کچرا پھیلا کر دیا کہ زبان مت چلاؤ کچرا اٹھاؤ۔“ وہ اب سسکیاں بھر رہی تھی۔

”تمہارا بیگ واپس نہیں کیا انہوں نے.....؟“ رضائے پوچھا۔

”میں لے آئی ہوں جب میں بیگ لینے گئی تو وہ اپنی کلاس کو کہہ رہی تھیں کہ لڑکیاں کافی بدتمیز ہیں پیرنٹس کو کہہ کر آتی ہیں کالج کا اور ڈنٹس پر چلی جاتی ہیں میں اتنی دیر تک کھڑی رہی پر انہوں نے مجھے اندر آنے کی پریشانی نہیں دی وہ مجھے مسلسل گھورتے ہوئے یہ سب کہہ رہی تھیں ایسا لگا کہ وہ سب میرے ہی بارے میں کہہ رہی ہیں میں تو نہیں ہوں بلکہ ہمارے گروپ میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے مجھے اتنی انسٹ فیل ہوئی۔“ اس نے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا تھا۔

”ریلیکس یار! Just forget it! اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

”پتہ ہے کیا آج صبح وہ اپنے نکلومیایاں سے جھگڑ کر آئیں ہوں گی تم سامنے آگئیں تو تم پر غصہ اتار دیا۔“

”آپ کو کیسے پتہ کہ ان کے میاں نکلے آئی مین گئے ہیں۔“ وہ حیران ہوئی۔

”یار! جس کی بیوی اتنی جھگڑاؤ ہو کہ بلا وجہ ایک بیچاری بچی پر برس پڑیں اس کامیاں گنجائش ہو گا کیا۔“ وہ

مزے سے بولا۔

”آپ کو نہیں پتا کہ انہوں نے میری کتنی انسٹ کی۔“ ہنسنے کے بجائے وہ اک بار پھر رو پڑی۔

”کتنی.....؟“ اس نے سوال کیا۔

”بہت زیادہ.....“ وہ کچھ اور بھی کہتا پر کسی نے فون لے کر رضا سے کہا۔

”آپ ہی سمجھا میں اسے ہم تو گزشتہ ایک گھنٹہ سے سمجھا رہے ہیں محترمہ کی سمجھ میں نہیں آتا۔“

”اچھا..... اسے سیل دیجئے۔“ اس نے کہا۔

”رہا ب! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں جیسے ہی پائلٹ بنوں گا اپنا پہلا بم اس نیچر کے گھر پر گراؤں گا ٹھیک ہے۔“

اس نے رہا ب کو سلی دینے کے لئے کہا۔

”نہیں۔“ وہ گھبرا گئی۔

”کیوں نہیں تمہیں اتنا دلایا ہے انہوں نے اب تو مجھے بدلہ لینا ہی پڑے گا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”نہیں میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے جلدی سے آنسو صاف کئے۔

”شیوور۔“

”ہاں۔“

”پانی پیو۔“ رضائے کہا۔

”اچھا۔“ اس کے غنا غٹ پانی چڑھانے کی آواز آئی۔

”good وہ نیچر بچ گئی ورنہ میں اس کے گھر بم مار دیتا۔“

”میں ٹھیک ہوں اب۔“ وہ سچ گھبرا گئی اور جلدی سے بولی تو رضا بے ساختہ مسکرا دیا۔

رفتہ رفتہ ان کی دوستی گہری ہوتی گئی اور رضا کو بتانا نہیں چاہا کہ اسے کب رہا ب سے محبت ہو گئی وہ اس کا بہت

خیال رکھتی تھی ناشتہ کیا، لُنج کیا، ذُر کیا، وہ بیمار ہوتا تو ڈاکٹر کے گئے، میڈیسن لی، جب کوئی اتنا خیال رکھے تو دل میں جہ پید ہو ہی جاتی ہے اور جب رضا پر اس بات کا انکشاف ہوا تو وہ پریشان ہو گیا، وہ رباب سے اپنی فیملی شہر کرنا چاہتا تھا، مگر رباب کا محتاط رویہ کچھ بھی کہنے سے روک رہا تھا، ایک سال ہو گیا تھا۔ ان کی دوستی کو مگر رباب نے ایسی ویسی کوئی بات نہیں کی کبھی بالآخر اس نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

”رباب! میں تمہیں پسند کرتا ہوں، مجھے پتہ ہی نہیں چلا میں تم سے کب پیار کرنے لگا۔“ یہ سن کر وہ چپ کی چپ رہ گئی۔

”رباب! کچھ بولو پلیز.....“ اس کی چپ سے رضا بے چین ہوا تھا۔

”کیا بولوں.....؟“ اس کی آواز بے تاثر تھی۔

”کیا تم بھی مجھ سے.....؟“ اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

”پتہ نہیں۔“ اس کی ادھوری بات کا مفہوم سمجھ کر وہ تیزی سے بولی۔

”کیا تم کسی اور سے.....؟“ رباب نے اس کی بات کاٹ دی۔

”نہیں.....“

”تو پھر مجھ سے۔“ اسے اطمینان ہوا تھا۔

”میں نے کہا نہ مجھے نہیں پتا۔“ وہ تیزی سے بولی۔

”تو پھر پتا کرو رباب پلیز۔“ وہ زور دے کر بے چینی سے بولا، رباب نے کال ڈراپ کر دی، رباب نے گواہی نہیں کہا کہ وہ بھی اس سے پیار کرتی ہے مگر اس نے کونٹیکٹ ختم نہیں کیا تھا، رضا کے لئے یہ ہی بہت تھا، وہ جب بھی اس سے اظہار کرتا وہ چپ ہو جاتی یا کہتی اچھا آہستہ آہستہ اسے اندازہ ہونے لگا کہ رباب بھی اس سے محبت کرتی ہے تو اس نے اس پر اظہار کے لئے زور ڈالنا شروع کر دیا۔

”میں نہیں کہہ سکتی رضا۔“ اس نے پہلی بار رضا کا نام لیا تو رضا جھوم اٹھا۔

”کیوں نہیں کہہ سکتیں.....؟“ وہ غصے سے بولا۔

”بس.....“

”کیا بس.....؟ میں بھی تو کہتا ہوں دن میں بیس بار۔“

”آپ تو مرد ہیں۔“

”تو تم لڑکی ہو اس لئے نہیں کہو گی۔“

”ہاں۔“

”کس نے کہا ہے کہ لڑکیاں اظہار نہیں کر سکتیں۔“

”کم از کم میں نہیں کر سکتی۔“

”تم کرو گی ورنہ میں تم سے بات نہیں کروں گا۔“ وہ ناراضی سے بولا اور کال ڈراپ کر دی۔

”I love you۔“ تھوڑی دیر بعد اسے رباب کا میسج موصول ہوا، پڑھ کر وہ جھوم اٹھا، اس نے نہ جانے کتنی بار میسج پڑھا، اور اسے رہنمائی کیا کہ کال کرو اور پھر کہو، مگر کافی دیر بعد بھی جب اس کی کال نہیں آئی تو اس نے فوراً کال کی۔

”ہیلو.....“ رباب کی مری مری آواز سنائی دی۔

”اب کہو۔“

”پلیز! آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔“ وہ رونے کو ہوئی۔

”میں سمجھتا ہوں، تم نہیں سمجھتیں۔“ وہ سخت لہجے میں بولا۔

”کیا کہنا ہے.....؟“ بالآخر اس نے ہار مان لی، وہ مسکرایا، عمر سخت لہجے میں بولا۔

”مجھے کیا پتا کیا کہنا ہے۔“

”میں پیار کرتی ہوں۔“ کافی دیر بعد وہ بدقت بولی۔

”کس سے.....؟“ اس نے مزہ لیا تھا۔

”آپ سے۔“ اسے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

”ہاں تو یوں کہو رضا میں آپ سے پیار کرتی ہوں، یہ قسطوں میں کیوں کہہ رہی ہو۔“ آخر کار اس نے اس کی خواہش پوری کر دی، مگر اب وہ بڑی بری طرح رو رہی تھی وہ ہنس پڑا اور وہ بولی۔

”آپ بہت برے ہیں۔“ اور کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

اور وہ جب دوست تھا تو مہربان تھا، محبوب ہوا تو ظالم بن گیا، وہ چاہتا تھا کہ جو وہ کہے رباب وہ کرے، وہ ذرا سی بحث کرتی وہ الجھ پڑتا، چاہتا تھا کہ وہ اس کی مانے، اس کی سنے، غلطی خود کی ہوتی تو بھی وہ چاہتا کہ رباب ہی منائے، وہ منائی تو مان کے نہ دیتا، اور مان جاتا تو ایسے جیسے احسان کیا ہو، وہ چاہتا تھا کہ وہ سارا دن ہی بیٹھی اس سے بات کرتی رہے، ظاہری بات ہے یہ ممکن نہیں تھا، وہ کہتی میں فلاں کام کر رہی ہوں، تھوڑی دیر میں بات کرتی ہوں تو وہ اسے الزام دیتا کہ وہ اسے اٹھو کر رہی ہے، رباب اس کے پل میں تولہ پل میں ماشہ مزاج کو سمجھنے میں ہلکاں ہو رہی تھی، وہ جانتا تھا کہ رباب کو اظہار کرنا مشکل لگتا ہے اور وہ چاہتا کہ وہ ہر سانس کے ساتھ بس اظہار ہی کرتی رہے، وہ ناراض ہوتا تو ماننے کے بدلے کہتا کہ ٹھیک ہے دس بار یا بیس بار کہو کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں، پھر مانوں گا وہ کہتی بار بار کہنے سے لفظوں کی قیمت گھٹ جاتی ہے، مگر وہ کہتا کہ یا اس بار بار کہنے سے محبت گہری ہوتی ہے، غرض اس کی انہیں حرکتوں کی وجہ سے رباب کو لگنے لگا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا، وہ کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے تھے سوا ب وہ رباب سے ملنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے رباب سے کہا۔

”میں چھٹی پر آ رہا ہوں، سو تم سے ملنے آؤں گا۔“

”نہیں رضا پلیز۔“ وہ تیزی سے بولی۔

”آپ جانتے ہیں کہ مجھے ایک بھی چیز سب سے زیادہ زہر لگتی ہے۔“

”تو پھر.....“ اس نے پوچھا۔

”ہر یہ کہ.....“ سے ملنے نہیں آئیں گے۔“

”رباب! میں تمہارے گھر پر پوزل بھیجنا چاہتا ہوں، اس لئے ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے سے ایک بار مل لیں۔“ اس نے زور دے کر کہا۔

”پیار کرتے ہیں ناں، بغیر ملنے پر پوزل بھیج دیں۔“ رباب نے کہا۔

”تمہیں خواہش نہیں مجھ سے ملنے کی.....؟“ رباب کی بات سن کر اس نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

”نہیں.....“ اس نے سچ کہا تھا، وہ رضا سے اتنا پیار کرتی تھی کہ وہ شکل و صورت جیسا بھی ہو اسے قبول کر لیتی۔

”صرف ایک بار۔“

”نہیں ایک بار بھی نہیں۔“ رباب نے سختی سے کہا۔

”او کے تو پھر تم ایسا کرو کہ مجھے اپنی تصویر میل کر دو کیونکہ تمہیں تو خواہش نہیں پر مجھے تمہیں دیکھنے کی شدید خواہش ہے۔“ اس نے کہا تو رباب چپ ہو گئی۔

”اب اتنا تو تم کرسکتی ہوناں۔“ اس کی چپ سے وہ جھنجھلا گیا۔

”پسند نہیں آئی تو۔۔۔۔۔۔“ رباب نے پوچھا۔

”کیوں کیا تم اتنی بری ہو۔۔۔۔۔۔؟“ رضائے سوال کیا۔

”پوچھ رہی ہوں۔“ اسے رضا کے سوال سے چوٹ پہنچی تھی۔

”ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔“ رضائے کہا۔

”کیونکہ میں نے تم سے شکل کی نہیں پر محبت نہیں دل سے چاہتا ہوں۔“ اس کا لہجہ پر یقین تھا۔

رباب مطمئن ہو گئی۔

”ٹھیک ہے میل کر دوں گی۔“ اس نے کہا۔

اس نے جو تصویر میل کی تھی اسے دیکھ کر رضا کا پارہ ہائی ہو گیا، تصویر واضح نہیں تھی جس جگہ کھڑے ہو کر اس نے

لی تھی وہاں روشنی کم تھی سو اس کے نقوش واضح نہیں تھے۔

”یہ تم نے تصویر بھیجی ہے یا ٹیکسٹ؟“ اس نے غصے سے پوچھا۔

”میرے موبائل سے تو ایسی ہی آتی ہے میں نے کوشش کی تھی اچھی تصویر لینے کی یہی سب سے اچھی آئی تو میں

نے میل کر دی۔“ اس نے ڈر سے ڈرے لہجے میں وضاحت کی۔ رضائے غصے سے کال کاٹ دی۔

تصویر اس نے کمپیوٹر پر ڈال کر برائٹ کر کے دیکھی وہ خاصی پرکشش تھی روشن پیشانی، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں،

ستواں ناک، خوبصورت منگراہٹ اور گالوں پر پڑتا ڈمپل، کتنی دیر بیٹھا وہ اسے نکلتا رہا تھا۔

☆.....☆

رضاء کی بہن نیہا کی شادی تھی انتظامات میں وہ اتنا مصروف ہوا کہ اس سے بات ہی نہیں کر پایا، فارغ ہوتے ہی

رضائے کال کی اور اس پر برس پڑا۔

”تم مجھے کال یا میسج نہیں کر سکتی تھیں۔“

”میسج کئے تھے میں نے۔“ اس نے وضاحت کی۔

”ہاں سات دن میں صرف اٹھارہ SMS۔“ وہ چپا چپا کے بولا۔

”آپ نے اس کے بھی رسپلائی نہیں دیئے۔“

”ہاں تو میں مصروف تھا۔“ وہ ڈھٹائی سے بولا۔

”اسی لئے تو نہیں کئے۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”ہونہ۔۔۔۔۔۔ میں مصروف تھا، تم نے تو جان ہی چھڑائی تھی مجھ سے۔“ وہ بلاوجہ لڑ رہا تھا۔ رباب دیکھی تو تھی اس کے

رویے سے اور دیکھی ہو گئی۔

”تمہیں تو صرف رونا آتا ہے۔“ اسے روتا سن کر وہ بد مزہ ہو گیا۔ رباب نے کال کاٹ دی، تو وہ غصے سے کھول

اٹھا۔ انتظار کر کے رضائے صبح خود رباب کو کال کی۔

”تم نے کل کال کیوں کی تھی۔“ اس نے غصے سے پوچھا۔ وہ چپ رہی۔

”جواب دو رباب۔“ وہ پھر غصے سے بولا۔ رباب نے منہ سے شہنشاہی نکالی ہو گیا۔

”میرے پاپا بہت بیمار ہیں رضا، وہ ہسپتال میں ہیں۔“ وہ بچکیوں سے رو رہی تھی۔

”تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔“

”آپ۔۔۔۔۔۔ آپ میری سنتے ہیں جب مجھے آپ کی ضرورت ہوتی ہے آپ تبھی میرے ساتھ نہیں ہوتے، کل

بھی آپ نے مجھ سے کس طرح بات کی چاہتے تو پوچھ سکتے تھے کہ تم کیوں پریشان ہو۔“ اس نے روتے ہوئے شکوہ

کیا تو رضا شرمندہ ہو گیا۔

”چپ ہو جاؤ رباب! تمہارے پاپا ٹھیک ہو جائیں گے۔“ اس نے تسلی دی۔ پروہ ٹھیک نہیں ہوئے تھے مزید

چار دن بیمار رہنے کے بعد وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

رضاء کے لئے بلکتی رباب کو چپ کرانا مشکل ہو رہا تھا، وہ جانتا تھا اسے اس وقت اس کی ضرورت ہے، پروہ کتنا بے

بس تھا کہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پاس نہیں جاسکتا تھا، پروہ وقت سب سے بڑا امیر ہم ہے ہر زخم مندمل کر دیتا ہے، رباب

بھی رفتہ رفتہ نازل ہو گئی تھی، پھر وہ پہلے جیسی رباب نہیں رہی تھی، بہت چپ ہو گئی تھی، رضائے اس کا بہت خیال رکھا تھا،

وہ اپنی پرانی روش میں واپس آ گیا تھا، مگر رباب اب پرانی رباب نہ رہی تھی جو اس کا ہر نخرہ سنی، پہلے تو وہ صرف سوچتی

تھی کہ شاید وہ اس سے پیار نہیں کرتا، مگر اب تو اسے یقین ہونے لگا تھا۔

”تم مجھے بتا کے بھی تو جاسکتی تھیں۔“ پھر چھوٹی سی بات پر جھگڑا شروع ہو گیا۔

”میں کہہ تو رہی ہوں، مجھے موقع نہیں ملا۔“ وہ تھک کے بولی۔

”تمہیں تو موقع چاہئے مجھے انکوری کرنے کا۔“ وہ چپک کر بولا۔

”بات صرف اتنی تھی کہ رباب اسے بغیر بتائے بازار چلی گئی تھی اور سیل گھر بھول گئی تھی جس پر وہ اتنا چراغ پاتا تھا،

رباب نے کچھ دیر اسے سمجھانے کی کوشش کی پھر تھک ہار کر اللہ حافظ کہہ کر کال کاٹ دی۔

رباب کے کزن کی شادی تھی اور وہ بھند تھا کہ وہ نہیں جائے گی۔

”سب جائیں گے رضا میں کیسے گھر پر رک سکتی ہوں۔“ اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

”بس میں نے کہا نا کہ تم نہیں جاؤ گی۔“ وہ بھند تھا۔

”کوئی مجھے گھر پر چھوڑنے کو راضی نہیں ہوگا۔“ اس نے دلیل دی۔

”کوئی بہانہ بنا دینا۔“ وہ اطمینان سے بولا۔

”کیوں بناؤں بہانہ جب میں خود جانا چاہتی ہوں، میرے فرسٹ کزن کی شادی ہے اور میں ضرور جاؤں گی سمجھے

آپ۔۔۔۔۔۔ رباب نے غصے سے کہا اور کال کاٹ دی۔ اور پھر اس کی بات نہ مان کر رباب نے سارے فنکشنز میں

شرکت کی تھی، نتیجتاً وہ ناراض ہو گیا، وہ اسے تین چار دن سے منانے کی کوشش کر رہی تھی آج وہ بات کرنے پر راضی ہوا۔

”ٹھیک ہے، میں ناراضی ختم کر دوں گا، مگر میری ایک شرط ہے۔“

”کیا شرط ہے۔“ رباب جانتی تو تھی کہ اس کی کیا شرط ہوگی پھر بھی پوچھا۔

”تم مجھے بیس بار آئی لو یو کہو گی۔“

”ہرگز نہیں۔“ وہ قطعیت سے بولی۔

”میں تم سے بات نہیں کروں گا۔“

”مت کریں، میں بھی نہیں کروں گی۔“ وہ غصے سے بولی تو رضائے کال کاٹ دی۔

”نہیں رضا مراد! اس بار میں نہیں، تم مجھے مناؤ گے۔“ رباب نے غصے سے سوچا، پر یہ اس کی خام خیالی نکلی کہ رضا

مراد اسے منائے گا ایک ہفتہ گزرنے کے بعد بھی جب اس نے ایک بھی میسج نہیں کیا تو رباب مرتضیٰ بہت بری طرح بکھری تھی پندرہ دن بعد رضا کو احساس ہوا کہ اس بار اسے رباب کو منانا پڑے گا اس نے رباب کو میسج کیا مگر کوئی رپلائی نہیں آیا اس نے چار پانچ میسج مزید کئے جن کا بھی کوئی رپلائی نہیں آیا تو رضا کو غصہ آ گیا۔ رضا نے تین دن بعد رباب کو کال کی اس نے ریسیو نہیں کی۔

”ٹھیک ہے مت بات کرو اب میرا ناراض ہونا تمہیں بہت بھاری پڑے گا۔“ وہ غصے سے بڑبڑایا۔ ایک ہفتے بعد رضا کو بے چینی ہونے لگی رباب اتنی لمبی تو کبھی ناراض نہیں ہوئی تھی وہ تو اس کے ناراض ہونے کے بھی چند گھنٹے بعد ہی اسے منانا شروع کر دیتی تھی کجا کہ اتنی لمبی ناراضی۔ اپنی ناراضی بھول بھال اس نے رباب کو کال کی فون آف آ رہا تھا اس نے کئی بار کوشش کی مگر رابطہ نہیں ہوا۔ وہ روزی اسے کال کرنے کی کوشش کرتا پر اس کا فون آف ملتا آج جب اس نے فون کیا تیل جا رہی تھی۔

”تھینک گاڈ۔“ اس نے کہا اور دل ہی دل میں حساب لگایا اسے رباب سے بات کئے بناء دو ماہ گزر چکے تھے تیل بند ہو گئی تو اس نے بے تابی سے دوبارہ نمبر ڈائل کیا۔

”ہیلو۔۔۔۔۔“ کال ریسیو کی گئی مگر یہ رباب کی آواز نہیں تھی۔

”کیا کروں۔۔۔۔۔؟“ بات کروں یا نہ کروں کر ہی لیتا ہوں۔“ اس نے سوچا۔

”مجھے رباب سے بات کرنی ہے۔“ رضا نے کہا۔

”آپ کون۔۔۔۔۔؟“ پوچھا گیا۔

”آپ پلیز ار رباب کو فون دیجئے۔“ اس نے زور دے کر کہا۔

”رباب آپنی۔۔۔۔۔؟“ کہہ کر وہ چپ ہو گئی تھی۔

”رباب کیا ہے۔۔۔۔۔؟“ آپ کون ہیں۔۔۔۔۔؟“ وہ بے تابی سے بولا عجیب لڑکی تھی اسے فون دینے کے بجائے خود بات کئے جا رہی تھی جہاں تک اسے یاد تھا رباب کی کوئی بہن نہیں تھی۔

”میں رباب آپنی کی کزن ہوں۔“ بتایا گیا۔

”تم اسے فون کیوں نہیں دے رہی ہو۔“ وہ ڈپٹ کر بولا۔

”وہ۔۔۔۔۔ ان کی ڈیوٹی ہے۔“ تھوڑے وقف کے بعد بتایا گیا۔

”کیا۔۔۔۔۔؟“ اسے اپنی سماعتوں پر شبہ ہوا تھا۔

”کیا کہہ رہی ہو تم۔۔۔۔۔؟“

”رباب آپنی کی ڈیوٹی ہے۔“ وہ بارہ بتایا گیا۔ وہ ساکت ہو گیا فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

”ایسا نہیں ہو سکتا۔“ اس نے زور سے نفی میں سر ہلایا۔

”رباب مجھے چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہے وہ بے وفا تو نہیں تھی۔“ وہ شاکڈ تھا۔

”کیوں نہیں جاسکتی تم نے اسے جتنا میٹھی نارچہ کیا تھا اس کے بعد کیوں نہیں جاسکتی وہ وہ حساس تھی نہیں سہہ

پائی۔“ اندر کی آواز اتنی تیز تھی کہ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ سوتے ہوئے بھی رو رہا تھا چہرہ بھیگا ہوا تھا اس نے دونوں

ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا زخم تازہ ہو گیا اس نے ناٹم دیکھا تین بج رہے تھے وہ کھڑا ہو گیا بیگ سے اپنی میڈیسن نکال کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا کچن میں پہنچ کر اس نے دوائی لگی اور کرسی تھکیٹ کر وہیں بیٹھ گیا۔

”تم مجھ سے اتنی ناراض ہو جاؤ گی رباب میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔“ اس نے تھکے تھکے انداز میں سر دونوں

ہاتھوں میں گرا لیا۔ وہ کچن میں تب تک بیٹھا رہا جب تک نیند سے اس کی پلکیں بھاری نہ ہو گئیں۔

دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا جس سے اس کی آنکھ کھلی اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

”بھائی۔۔۔۔۔“ باسط مسکراتا ہوا اس کے گلے لگ گیا۔

”تم آج یونیورسٹی نہیں گئے۔“ وہ واپس اندر مڑا۔

”آج اتوار ہے بھائی! آپ کا کب تک سونے کا ارادہ ہے دس تو بج گئے ہیں ماں نے منع کیا تھا آپ کو اٹھانے

سے پر مجھ سے صبر نہیں ہوا۔“ باسط نان اسٹاپ بولتا ہوا اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔

”میرا بھی مزید سونے کا ارادہ ہے۔“ سر بھاری ہو رہا تھا اس لئے وہ بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولا۔

”پلیز بھائی! مجھ پر رحم کریں آپ کے ساتھ ناشتہ کرنے کی خواہش ہے اور مجھ سے اب مزید صبر نہیں ہو رہا۔“

”تو جا کر ناشتہ کر لو خواہش پر دھیان مت دو۔“ اس نے کبل منہ پر تان لیا۔

”میرے ساتھ ساتھ پاپا پر بھی رحم کریں ان کی بھی آپ کے ساتھ ناشتہ کرنے کی خواہش ہے۔“ اسے سر تک

کبل تاننے دیکھ کر باسط جلدی سے بولا۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ میں آتا ہوں۔“ اس نے منہ سے کبل ہٹایا باسط خوشی خوشی واپس چلا گیا۔ وہ شاہر لے کر

ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔

”السلام علیکم پاپا۔“ کرسی گھینٹتے ہوئے اس نے مراد صاحب کو سلام کیا۔

”علیکم اسلام بیٹا! تم تو خوب سوئے ہم رات سے تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہے تھے۔“ مراد صاحب نے اخبار

لیٹ کر ایک طرف رکھا۔

”جی تھکا ہوا تھا۔“

”بھائی! آپ کو کچھ یاد ہے آپ نہیا کی شادی کے بعد صرف ایک بار آئے تھے وہ بھی آٹھ مہینے پہلے آپ کا کیا

گھر آنے کو دل نہیں چاہتا۔“ باسط پلیٹ میں آلیٹ ڈالتے ہوئے بولا۔

”کیوں نہیں دل چاہتا بٹ جب چھٹی ملے گی جیسی تو آؤں گا۔“ اس نے پلیٹ میں چھوٹوں کی بھاجی نکالتے

ہوئے جواب دیا۔

”بیٹا! ڈھائی تین مہینے بعد چھٹی لے کر آ جایا کرو اس بار تم کافی دنوں بعد آئے ہو۔“ مراد صاحب نے کہا۔

”دنوں بعد مہینوں بعد آیا ہے اسے گئے ہوئے تین سال ہونے کو ہیں مگر یہ پہلا موقع ہے کہ یہ آٹھ مہینوں بعد

آیا ہے۔“ راحیلہ بیگم آٹھ مہینوں پر زور دیتے ہوئے بولیں۔ وہ اب انہیں کیا بتاتا کہ جس حال میں وہ تھا اگر آ جاتا تو

وہ لوگ دکھی ہو جاتے پوری ختم کر کے اس نے چائے کپ میں انڈلی۔

”بھائی! آپ بدل گئے ہیں۔“ باسط اسے چائے ڈالتے دیکھ کر بولا۔

”مطلب۔“ وہ چونکا تھا۔

”مطلب یہ کہ پہلے آپ تب تک ڈانگ ٹیبل پر بیٹھے رہتے جب تک اس ٹیبل پر آخری نوالہ بھی موجود رہتا

اور فرماتے رہتے ماں میس میں تو میں ایسے مزیدار کھانے کو ترس جاتا ہوں اور اب آپ نے صرف ایک ہی پوری نوش

فرمائی ہے جب کہ رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔“ باسط اطمینان سے ناشتہ سے انصاف کرتے ہوئے عادت سے

”بڑی جلدی احساس ہوا آپ کو“۔ پاسطہ ہنسا۔

ہوئے رضا بچوں کی طرف بڑھا۔

”نہ لڑ رہا ہے“۔ چار سالہ احمد نے اشعر کی طرف اشارہ کیا۔

”کیوں کھائی تم نے“۔ اس نے احمر کو گھوڑا۔

”میں نے نہیں کھائی سچ میں“۔ اہم نے زور دے کر کہا۔

”تو پھر کہاں گئی اسکی جاکیٹ۔“ اس نے احمر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”وہ سارے ماموں نے جھکے سے اس کی جب سے نکال کر کھائی ہے۔“ - اصر نے بھانڈا بھجوڑا۔

”اسلامی تنظیموں اور دانشمندان کی ایک بکھری ہوئی چیز کو کھاتے ہوئے“۔ اس نے ماسٹر کو بتایا۔

”اس وقت انہیں کہہ کر ان کا شاہ میر میری رنجشوں سے“ تاجہ فریاد کا حشر کیا۔

”بڑے فخر سے کہتی ہیں ہاں آپ کہ میرے بچے لڑتے نہیں ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں مل جل کر رہتے ہیں ایک دوسرے کی نگرانی کرتے ہیں۔“

”تو تم سچ اسٹا“ نسا نرائی پنکھیا کا۔

”لوہ ہے م سے باسط۔ یہاں ہے اپنی فیضیاتی۔“

”لوچھی..... باسط ماموں لووچو چھو اس سے اپنی چاہیت لٹواؤ۔ رخصتے دوووں پھوں

”بچھی چاکلیٹ دلا کر لائیں۔“ اسعر نے اس کے تے میں بھونسنے ہوئے مس پھارا۔

”ٹھیک ہے پہلے اپنا بھونپو بند کرو۔“ باسط نے سمجھلا کر اسے پیچھے اتار دیا اور گھر آ گیا۔

رداؤں کی جستجو 194 مئی 2011ء

”کہا کرتے ہیں کہ گتے تلواروں پر کھڑے ہوتے ہیں۔“

”ماں! میں بچہ نہیں چاہا جاؤں گا۔“ وہ رو بہ بھلاہٹا۔

”بھنا! ماسط ہوتا تو وہ لے جاتا، اب اتنے تیز بخار میں ڈراؤ کیسے کرو گے۔“ وہ اس کی ضد کے آگے زچ ہو گئیں۔

”آپ فکر نہ کریں کروں گا۔“ وہ نہ مانا تو انہوں نے دعائیں پڑھ کر اس پر دم کیا اس نے ٹیٹ کر لئے تھے اب وہ میڈیکل سے میڈیسن لے کر واپس کار کی طرف جا رہا تھا۔

”آپ یہاں بیٹھیں میں نے حماد بھائی کو کال کر دی ہے وہ آتے ہی ہوں گے۔“ وہ آواز سنتے ہی چونک پڑا۔ یہ آواز اس آواز کو تو وہ ہزار آوازوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

”رباب۔“ اس کے لبوں سے نکلا وہ بے تابی سے مڑا۔

وہ جو کوئی بھی تھی اس کی طرف پشت تھی اور وہ کسی خاتون کو لان میں لگی بیٹھنے میں مدد دے رہی تھی۔

وہ بے تابی سے اس لڑکی کی طرف بڑھا مگر پھر رک گیا۔

”یہ کوئی اور بھی ہو سکتی ہے۔“ اس نے سوچا۔ مگر دو واقعات کیسے ہو سکتے ہیں ایک تو اس لڑکی کی آواز اور دوسرا وہ جانتا تھا کہ رباب کے بڑے بھائی کا نام حماد ہے۔

اسے خیال آیا اس نے سرعت سے پینٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور تیزی سے رباب کا نمبر ڈائل کر کے کان سے لگا دیا۔ تیل جا رہی تھی اس نے لڑکی کو جو ٹکٹے اور شولڈر بیگ میں ہاتھ ڈالتے دیکھا۔ اس نے بیگ سے موبائل نکالا تھا اور اب وہ موبائل اسکرین کو گھور رہی تھی اس نے فون واپس شولڈر بیگ میں ڈالا اور خاتون سے نظر ہچا کر چہرہ موڑا وہ بلاشبہ رباب ہی تھی اب وہ آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

”رباب۔“ اس کی کہنیاں سلگنے لگیں اس نے لب بھینچ لئے اس کا دل چاہ رہا تھا اسے جھنجھوڑ کر پوچھے کہ اس نے ایسا کیوں کیا وہ مسلسل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے شولڈر بیگ میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا اور خاتون سے بولی۔

”چلے ای احمد بھائی آگئے ہیں۔“ یہ سن کر وہ بھی تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ اس نے رباب کو سیاہ رنگ کی کروڑا میں بیٹھتے دیکھا اور خود بھی اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگا دی گاڑی طارق روڈ سے ٹرن لیتی ہوئی کشمیر روڈ پر ایک چھوٹے سے بنگلے میں داخل ہو گئی گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے اس نے بنگلے پر لگی شیم پلیٹ پڑھی اور گاڑی بڑھالے گیا۔

وہ گھر آیا اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا راحیلہ بیگم تیزی سے اس کے پیچھے لگیں۔

”رضایا! کیا بتایا ڈاکٹر نے؟“ وہ بولتی ہوئی اندر داخل ہوئیں تو وہ بیڈ پر بناء جوتے اتارے اور دھال دیا تھا۔

”رضایا! کیا ہوا؟“ انہوں نے بیڈ پر بیٹھ کر بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

رضانے سیدھے ہوتے ہوئے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اس کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔

”کچھ نہیں بتایا ماں ٹیٹ ہو گئے ہیں رپورٹس کل ملیں گی۔“ وہ جوتے اتارتے ہوئے بولا۔

”ٹھیک ہے میں نے سوپ بنایا ہے وہ پی کر دو ان کو کھاؤ میں لے آتی ہوں۔“ وہ کھڑی ہو گئیں۔

”نہیں ماں! تھوڑی دیر میں کھانا کھاؤں گا۔“ وہ بستر پر لیٹے ہوئے بولا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ کمرے سے نکل گئیں اس کے ذہن میں کئی سوال کلبا رہے تھے۔

”رباب نے ایسا کیوں کیا؟ کیا وہ مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی؟ اگر ایسا تھا تو وہ مجھ سے کہہ سکتی تھی یا اس کی کوئی اور مجبوری تھی۔“ سوچ سوچ کے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ شام میں اس کی طبیعت بہتر ہوئی تو وہ ہال میں چلا آیا راحیلہ بیگم عصر کے بعد کی تسبیحات پڑھ رہی تھیں وہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گیا۔

”پاپا اور باسط نہیں آئے؟“ انہوں نے بیٹج پوری کی تو اس نے پوچھا۔

”نہیں۔“ اس پر دم کرنے کے بعد انہوں نے جواب دیا۔

”تمہاری طبیعت کیسی ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”بہتر ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔“ وہ ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے بولا۔

”کیا بات ہے؟“ انہوں نے اس کا سر سہلاتے ہوئے پوچھا۔

”وہ۔۔۔۔۔ میں نے آپ سے کہا تھا اگر کوئی لڑکی پسند ہوئی تو بتاؤں گا۔“ وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولا۔

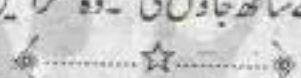
”ہاں بولو۔۔۔۔۔ کون ہے وہ؟“ وہ مسکرائیں۔

”اس کا نام رباب ہے وہ کشمیر روڈ پر رہتی ہے۔“ اس نے بتایا۔

”کیسی ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”اچھی ہے۔“

”ٹھیک ہے میں کل ہی نیپا اور ناجیہ کے ساتھ جاؤں گی۔“ وہ مسکرائیں۔



”یہ گھر ہے۔“ اس نے بنگلے کے سامنے گاڑی روکی۔

”میں چلتا ہوں۔“ اس نے ان لوگوں کے اترتے ہی گاڑی اشارت کی۔

”ارے بھائی ارکو تو ہم اجنبی ہیں اگر ان لوگوں نے گھر میں گھسانے سے ہی منع کر دیا تو ساتھ میں ہی چلیں گے نا۔“ نیپا بولی۔

”یکو اس کر لی ہو تو چلیں۔“ ناجیہ نے گھر کا اور آگے بڑھ کر تیل پر انگلی رکھی کسی خاتون نے دروازہ کھولا راحیلہ بیگم نے سلام کیا۔

”ولیکم السلام! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”پہچانیں گی کیسے؟ ہم پہلی بار مل رہے ہیں۔“ راحیلہ بیگم ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

”آپ اندر آ جائیں۔“ وہ کچھ الجھن سے بولیں۔

”رباب بیٹا! مہمانوں کے لئے پانی لے کر آؤ۔“ وہ برآمدے میں بیٹھی لڑکی سے مخاطب ہوئیں۔

”جی۔“ وہ فوراً اٹھ گئی۔

”لڑکی تو اچھی ہے۔“ نیپا نے ناجیہ کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ انہیں لئے ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔

”اب بتائیے کیسے آنا ہوا؟“ ان کے بیٹھتے ہی انہوں نے پوچھا۔

”بتاتی ہوں پہلے ذرا تعارف کا مرحلہ تو طے ہو جائے۔“ راحیلہ بیگم مسکرائیں۔

”میرا نام راحیلہ ہے یہ میری بیچیاں ناجیہ اور نیپا۔“

”میرا نام شازیہ ہے۔“ انہوں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ میری بیٹی رباب ہے۔“ انہوں نے ٹرے اٹھائے داخل ہوتی رباب کو دیکھ کر کہا۔

”ماشاء اللہ۔۔۔۔۔ بہت پیاری ہے آپ کی بیٹی۔“ راحیلہ بیگم نے رباب کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ سادہ کاشن کا پرغڈ سوٹ پہنے ہوئے اور دراز بالوں کی چھوٹی کے ساتھ وہ خاصی پرکشش لگ رہی تھی۔ رباب سلام کر کے اور ٹرے رکھ کر جلدی سے باہر نکل گئی۔

”بات یہ ہے بہن۔۔۔۔۔ ہم آپ کی بیٹی کا رشتہ لے کر آئے ہیں۔“ راحیلہ بیگم کچھ توقف کے بعد بولیں۔

”آپ کو کس نے بھیجا ہے؟“ وہ اس اچانک رشتے پر حیران ہوئیں۔
 ”کسی نے نہیں آنٹی! انکیولی بات یہ ہے کہ آج کل ہم لوگ اپنے بھائی کے لئے لڑکی ڈھونڈ رہے ہیں یہ جو میری بہن ہے اس نے آپ کی بیٹی کو نہیں دیکھا اور پھر اب ہم بیچھا کرتے ہوئے آگئے۔“ ناجیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو نیہا رونق سی ہو گئی۔

”اوہ..... شاز یہ بیگم نے مسکراتے ہوئے نیہا کو دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔ جلد ہی وہ بے تکلف ہو گئے انہوں نے رضا کے بارے میں مکمل انفارمیشن انہیں دی۔

”تو آنٹی آپ لوگ کب آرہے ہیں.....؟“ ناجیہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
 ”جینا! ابھی تو میں اپنے بچوں سے مشورہ کروں گی، پھر جو بھی بات ہوگی آپ کو بتاؤں گی۔“ انہوں نے کہا۔

☆.....☆.....☆.....
 ”تم دونوں رکو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔“ کھانے کے بعد شاز یہ بیگم نے حماد اور عباد سے کہا۔

”کیا بات ہے.....؟“ حماد واپس بیٹھتے ہوئے بولا۔

”رباب کے لئے ایک پرپوزل آیا ہے۔“

”کون لوگ ہیں۔“ عباد نے پوچھا۔

”غیر ہیں..... لڑکا ایئر فورس میں ہے، رضانا م ہے، لوگ تو اچھے لگ رہے تھے اپنے گھر آنے کا کہہ گئے ہیں۔“

”ملنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔“ حماد بولا۔

”ٹھیک ہے، میں ان لوگوں کو فون کر کے کہہ دوں گی کہ ہم اتوار کو آ جائیں گے۔“ انہوں نے حماد اور عباد کو دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔ شاز یہ بیگم رباب کے کمرے میں داخل ہوئیں وہ انہیں دیکھتے ہی اٹھ بیٹھی۔

”آئیے امی۔“ اس نے کھسک کر ان کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی۔

”آج جو خواتین آئی تھیں تمہارا پرپوزل لے کر آئی تھیں۔“ انہوں نے کہا تو رباب کا دل تیزی سے دھڑکا۔

”تو پھر.....“ وہ ہکاائی۔

”پھر یہ کہ ہم اتوار کو لڑکے سے ملنے جائیں گے۔“ انہوں نے کہا۔

”مم..... مگر امی! مجھے ابھی شادی نہیں کرنی، آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔“ اس نے بہانہ تراشا۔

”اس لئے تو جلد از جلد تمہاری شادی کر دینا چاہتی ہوں، پہلے بھی کتنے رشتے آئے مگر تم نے منع کر دیا، ہم نے بھی زور نہیں ڈالا کہ تم پڑھ رہی ہو میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی نہ جانے کب یہ سانسیں بند ہو جائیں۔“ انہوں نے کہا تو وہ دہل گئی۔

”اللہ نہ کرے اللہ آپ کا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے۔“

”جینا! ہمیشہ تو کوئی نہیں رہے گا، مٹی کا جسم ہے، مٹی میں ہی مل جائے گا، حماد کی مگنی کو دو سال ہو گئے ہیں تمہاری پھپھوز ورڈال رہی ہیں شادی کے لئے میں کب تک انہیں نالوں اور اب تو حماد نے بھی کہنا شروع کر دیا ہے۔“

”تو آپ حماد بھائی کی شادی کی فکر کریں نا اچھا ہے، ارج آپ آ جائیں گی تو گھر میں کچھ رونق ہو جائے گی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے لاڈ سے ماں کے گلے میں بانٹیں ڈالیں۔

”جینا میں حماد اور عباد کی شادی تمہاری شادی کے بعد ہی کروں گی۔“ انہوں نے صاف صاف کہا۔

”مگر کیوں امی! وہ حیران ہوئی۔“

”کیونکہ اب تمہارے ہیں نہیں اور بھائیوں کو شادی کے بعد بدلتے دیر نہیں لگتی اور بھادو جوں کو تو بیانی نندوں کا آنا زہر لگتا ہے، تم تو پھر.....“

”نہیں امی! نہ تو میرے بھائی ایسے ہیں نہ ایریٹ آپ!۔“ رباب نے ان کی بات کاٹی۔

”میں کب کہہ رہی ہوں کہ حماد اور عباد ایسے ہیں، میں تو جزیلی بات کر رہی تھی جو دنیا میں ہو رہا ہے میری تو یہی دعا ہے کہ میرے بچے صد ایسے ہی رہیں پر بیٹا ہوں تمہاری فکر مجھے زیادہ لگی رہتی ہے، پھر میری طبیعت بھی تو ٹھیک نہیں رہتی اور پھر ابھی تو ہم صرف دیکھنے جائیں گے لڑکا اچھا ہوا تو اچھی طرح ہم اپنا اطمینان کرنے کے بعد بات آگے بڑھائیں گے۔“ انہوں نے سمجھایا۔

”ٹھیک ہے جیسا مناسب سمجھیں۔“ اس نے سر جھکا دیا۔ اس نے انہیں کہہ تو دیا مگر اس کی غیندا ڈھنکی۔

”یہ..... یہ..... میں نے کیا کر دیا کاش کاش کہ میں وہ سب کچھ نہ کہلواتی۔“ اسے پچھتاوؤں نے گھیر لیا، اسے رضا کی بے اعتنائی سے شدید تکلیف پہنچی تھی اس کا رُوس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا، کتنے ہی دن وہ اسپتال میں داخل رہی اور پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اس کی بے اعتنائی سب سے بہتر ہے کہ تعلق قطع کر لیا جائے، اس کے دماغ میں یہی تھا کہ رضا بھی اس سے تعلق ختم کرنا چاہتا ہے، یہی سب سوچ کر اس نے اپنی کزن بیٹش سے وہ سب کچھ کہلوادیا جس پر آج پچھتا رہی تھی۔

”کیوں پچھتا رہی ہو اسے کون سی مجھ سے محبت تھی، میں نے بالکل ٹھیک کہا۔“ دماغ نے کہا۔

”جو کچھ بھی ہوا ٹھیک ہوا آخر میں کب تک اذیت میں رہتی۔“ اس نے سوچا۔

☆.....☆.....☆.....

وہ لوگ رضا کو دیکھنے آئے رضا انہیں کافی پسند آ یا تھا، اور پھر سب معاملات بہت تیزی سے طے ہوئے رضا کے جانے سے پہلے راحیلہ بیگم رباب کو انگوٹھی پہنا آئیں تھیں۔ آج اسے جانا تھا، وہ پینٹنگ کر رہا تھا کہ باسٹ کمرے میں داخل ہوا۔

”یہ لو بھائی! یہ بھی رکھ لو۔“ اس نے مگنی کی تصویروں کا البم اس کی طرف بڑھایا۔

”کس لئے۔“ اس نے پوچھا۔

”ارے بھائی! بھائی آپ کی پسند کی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کا دیکھنے کا دل نہ چاہے۔“ وہ شرارت سے بولا۔

”تم ہمیشہ بکواس ہی کرنا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے البم تمام لیا۔

☆.....☆.....☆.....

اسے واپس پہنچے ہوئے کئی دن ہو گئے تھے، اس نے ایک بار بھی البم نہیں دیکھی جب وہ نہیں تھی تو اس کے دور ہو جانے کا خیال اسے مار ڈالتا تھا، اب وہ اس کے نام سے منسوب ہو گئی تھی تو اس کے دل میں اس کے لئے صرف اور صرف غصہ تھا، آج اس نے البم نکال ہی لیا اب وہ ایک ایک تصویر بہت غور سے دیکھ رہا تھا، سی گرین لائنگ شرٹ اور گولڈن چوڑی دار پاجامہ میں وہ کافی حسین لگ رہی تھی۔

”السلام علیکم ہاں۔“ اس نے کال ریسیو کی۔

”والیکم اسلام! تمہیں چھٹی کب ملے گی۔“ انہوں نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”خیریت.....“ اس نے پوچھا۔

”شادی کی تاریخ لینی ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”اوہ.....“ اس نے گہری سانس لی۔

”آپ ڈیٹ فکس کر کے مجھے انفارم کر دیں میں آپلیکیشن دے دوں گا۔“

”ارے بھائی! ایسا نہ ہو ہم ڈیٹ فکس کر دیں اور آپ کو چھٹی نہ ملے۔“ اب باسٹ تھا لائن پر۔

”تم جب بولنا فضول ہی بولنا۔“ وہ ہنسا۔

”ایسا نہیں ہوگا۔“ اور پھر ایسا ہی ہوا جیسے ہی راحیلہ بیگم نے ڈیٹ فکس ہونے کی خبر دی اس نے چھٹی کی

اپلیکیشن دے دی اور اب وہ شادی سے ایک ہفتے قبل ہی گھر پر تھا۔

”اب بھی آنے کی کیا ضرورت تھی۔“ راحیلہ بیگم مصنوعی غصے سے بولیں۔

”اتنی جلدی تو آگیا ہوں ماں۔“ اس نے لاڈ سے ان کے گلے میں ہاتھیں ڈالیں۔

”جلدی بھائی! آپ سے جلدی تو مہمان آگئے ہیں۔“ نیہا نے آنکھیں پھیلائیں۔ وہ فریش ہو کر ڈرائنگ روم

میں داخل ہوا تو بہت زور و شور سے کسی بات پر تھرے ہو رہے تھے۔

”یہ کس بات پر ڈسکشن ہو رہی ہے.....؟“ اس نے ناجیہ سے پوچھا۔

”مہندی کے فنکشن پر ہم لوگ ماں سے کہہ رہے ہیں کہ تمہاری سسرال والوں سے کہیں گے کہ مہندی کا فنکشن

ساتھ کر لیں۔“

”نہیں ان کے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔“ وہ جلدی سے بولا۔ تو اوہ..... کی آوازیں بلند ہو گئیں۔

”جو بات ہے وہ بتا رہا ہوں۔“ وہ ان کے ہونگ کرنے پر جھنجھلا گیا۔

☆.....☆.....☆.....

جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے باب کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا زندگی سے ایک رضا گیا تو

دوسرا آگیا، گویا اسے بھولنا ہی مشکل ہو گا اس نے سوچا وہ اس کے بارے میں سوائے نام کے کچھ نہیں جانتی تھی ماں

نے بتانا چاہا تو انہیں بھی ٹوک دیا، آپ لوگ مطمئن ہیں تبس ٹھیک ہے میں کیا کروں گی جان کر شادی یہ بیگم اسے

حیرت سے دیکھتی رہ گئیں۔

☆.....☆.....☆.....

بالآخر شادی کا دن بھی آپہنچا وہ مرون اور فان کلر کے لینگے میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی اور رضا آف وائٹ

شیر وانی جس پر گولڈن اور میرون کام بنا تھا بہت ڈینگ لگ رہا تھا۔

وہ ڈریسنگ روم میں بیٹھی بے انتہا مضطرب تھی دل چاہ رہا تھا یہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے روح کسی کی اور جسم

کسی اور کے حوالے کر دینا بہت مشکل امر تھا۔

”میرے اللہ.....!“ اس نے دل کی گہرائیوں سے خدا کو پکارا۔

”میری مدد کر۔“ نکاح ہو چکا تھا اب اس سے سائن کرانے کے لئے پیپر ڈریسنگ روم میں پہنچے۔

”رباب بیٹا!“ حماد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”یہاں سائن کر دو۔“ وہ اسے پین پکڑاتے ہوئے بولے اس نے لرزتے ہاتھوں سے پین تھاما اور دستخط

کر دیے۔

رخصت ہو کر وہ مرادولا پہنچی تو راحیلہ بیگم نیہا اور ناجیہ سے مخاطب ہوئیں۔

”نیہا ناجیہ! ابن کو داس کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔“

”پر ماں! ابھی تو کتنی رسمیں باقی ہیں۔“ ناجیہ بولی۔

”بس بہت ہو گئی رسمیں..... تاہم دیکھا ہے دو بج رہے ہیں اس بیچاری پر رحم کھاؤ، تھک گئی ہوگی۔“

”جب ہماری شادی ہوئی تھی تو کسی نے رحم نہیں کھایا تھا۔“ نیہا بڑبڑائی۔

”سمجھا کرو یار! دو بجے میاں بے تاب کھڑے ہیں اپنی دلہن سے ملنے کے لئے۔“ نیہا کے شوہر آفتاب رضا کو

دیکھتے ہوئے شرارت سے بولے تو وہ جھینپ گیا۔

رباب کو روم میں پہنچا دیا گیا اس نے اکڑی ہوئی کمر سیدھی کرنی چاہی تبھی کمرے کے باہر آہٹ ہوئی تو اس نے

گردن جھکا لی۔ وہ اس کے قریب آ کر رک گیا، پھر اس کا بازو پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے نیچے کھڑا کیا اور دوسرے ہاتھ

سے گھونگھٹ الٹ دیا، ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ یہ گھونگھٹ اٹھانے کا کون سا انداز ہے اسے زوردار چھپر پڑا وہ الٹ کر

بید پر جا گری وہ حیرت اور صدمے سے گنگ گال پر ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھی جس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ

ہو رہا تھا۔ بازو سے پکڑ کر اس نے اسے اپنے مقابل کھڑا کیا اس کی انگلیاں رباب کے بازو میں پیوست ہو رہی تھیں۔

”میٹھی رباب! آئی ایم رضا مراد۔“ وہ لفظ چپا چپا کر بولا تو رباب کی آنکھیں حیرت سے پوری کھل گئیں۔

”رضا.....“ اس نے بے یقینی سے دہرایا۔

”ہاں رضا، تم نے ایسا کیوں کیا رباب.....؟“ اس نے روتی ہوئی رباب کو جھنجھوڑا۔

”بولو جواب دو۔“ اس نے چپ کھڑی رباب کو پھر جھنجھوڑا۔

”میں وہ.....“ وہ رضا کے غصے سے خوفزدہ ہو گئی تھی زبان نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، حیرت صدمے اور رضا کے

غصے کے سامنے اس کا جو حال ہو رہا تھا وہ بولنے کے قابل ہی نہیں تھی وہ خوفزدہ سی پیچھے ہٹی رضا نے کھینچ کر اسے قریب

کر لیا اور اس کا دوسرا بازو بھی پکڑ لیا۔

”رضا پلیز.....“ وہ سسکی۔

”تکلیف ہو رہی ہے۔“ اس نے دانت میسے۔

”میں نے اس سے کہیں زیادہ تکلیف جھیلی ہے۔“

”مجھے جواب چاہئے رباب۔“ اس نے ایک بار پھر اس کو جھنجھوڑا۔

”پپ پپ پانی..... مجھے پانی چاہئے۔“ وہ بمشکل بولی۔ تو اس نے اس کے بازو چھوڑ دیئے وہ سرعت سے پلٹی

اور سائیڈ دروازے پر کھانک اٹھا کر پانی انڈیا پانی پی کر اس کی حالت قدرے بہتر ہوئی اس نے ڈرتے ڈرتے رضا کو

دیکھا جو غصے سے دانت بھینچے اسے ہی گھور رہا تھا، جیزوں کی ہڈیاں نمایاں ہو گئی تھیں رباب خوفزدہ سی پیچھے ہٹی۔

”بتاؤ اب۔“ اس نے بھی آگے قدم بڑھائے۔

”آپ کی وجہ سے۔“ اس کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے پیچھے ہٹتے ہٹتے وہ دیوار سے جا لگی۔

”میری وجہ سے۔“ غصے سے دھاڑتے ہوئے اس نے دیوار پر مکا مارا رباب کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

دیوار پر رباب کے دائیں بائیں ہاتھ جمتے ہوئے وہ چہرہ اس کے مقابل لے آیا۔

”ہاں ہاں آپ کی وجہ سے..... آپ کے رویے کی وجہ سے..... آپ کی بلا وجہ کی ناراضگیوں نے مجھے سوچنے پر

مجبور کر دیا تھا کہ آپ مجھ سے پیار نہیں کرتے، تعلق ختم کرنا چاہتے ہیں اور کہہ نہیں پارہے میری کیا غلطی تھی بس یہی

کہ میں چاہتی تھی کہ آپ مجھے منائیں اور آپ نے میرا مان ہی نہیں مجھے بھی توڑ دیا، میرا زورس بریک ڈاؤن ہوا

آپ نے مجھے باور کرا دیا کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں آپ کی وجہ سے میں اذیت میں تھی اور میری وجہ سے میرے

پیارے اس لئے میں نے فیصلہ کیا جو آپ کہہ نہیں پارہے وہ میں کر دیتی ہوں۔“ وہ بے تحاشہ روتے ہوئے کہتی چلی گئی۔ رضائے اپنے ہاتھ دیوار سے ہٹائے۔

”تم نے بلا وجہ کے واہموں اور اپنی فضول کی سوچوں سے مجھے کس اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیا اس کا تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔“ وہ ایک ایک اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”تکلیف میں تو میں بھی تھی رضا۔“ وہ سسکتے ہوئے بولی۔

”تم یہ سوچتی تھی تاکہ میں تم سے محبت نہیں کرتا تو پوچھ لیتیں میں بتاتا کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے میں تمہیں تنگ کرتا، تم سے ناراض ہوتا اس لئے کہ تمہیں اپنے لئے فکر مند دیکھنا مجھے اچھا لگتا تھا میں تمہیں اظہار کے لئے مجبور کرتا تو اسلئے کہ تمہارا جھجکتے ہوئے لہجے میں اظہار کرنا میری روح تک کو سرشار کر دیتا تھا مجھ سے پوچھ لیا ہوتا رہا باب۔۔۔۔۔“ وہ تاسف سے دیکھتے ہوئے پلٹا اور ہاتھ روہم میں گھس گیا وہ روتے ہوئے بند پر گر گئی۔

وہ چیخ کر کے نکلا اور اس پر نظر ڈالتے ہوئے کروٹ بدل کر لیٹ گیا، وقفے وقفے سے اس کی سسکیاں ابھر رہی تھیں وہ ڈسٹرب ہو رہا تھا۔

”یہ چاہتی تھی کہ میں اسے منانوں اور میں نے اس کا مان توڑ دیا مجھے اسے منانا ہوگا اسے اپنی چاہت کا یقین دلانا ہوگا تاکہ آئندہ کبھی کوئی غلطی ہمارے بیچ نہ پیدا ہو۔“ یہ سوچ کر وہ مڑا۔

”رہا باب۔۔۔۔۔“ اس نے آہستہ سے روتی ہوئی رہا باب کو آواز دی وہ یونہی رخ موڑے روتی رہی۔

”رہا باب۔۔۔۔۔“ اس نے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

”آئی ایم سوری رضا! ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا وہ اور زور زور سے روتے ہوئے اس کے سینے سے لگ گئی۔“

”بس چپ ہو جاؤ۔“ وہ آہستہ آہستہ اسے تھک رہا تھا۔

اس کا دل ہلکا ہوا تو سینے سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی رضائے اس کے آنسو پونچھ کر ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ تھاما۔

”آئی ایم سوری رہا باب! آئی ایم سوری فار ایوری تھگ تمہیں تنگ کرنے کے لئے تم سے ناراض ہونے کے لئے اور تمہیں تھپڑ مارنے کے لئے میں غصے سے پاگل ہو رہا تھا سو تم پر ہاتھ اٹھا بیٹھا۔“ وہ شرمندہ لہجے میں بول رہا تھا۔

رہا باب نے ہیکل پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تو اس نے جھٹ کان پکڑ لئے وہ بے ساختہ ہنس پڑی، نم آنکھوں کے ساتھ ہنستی ہوئی رہا باب رضا مراد کے دل میں اتر گئی۔

”تم ایسے ہی ہنسو گی آئندہ کے لئے“ نومورٹیز زیہ میرا وعدہ ہے تم سے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے اپنا چوڑا ہاتھ پھیلا دیا تو رہا باب نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

”ویسے رہا باب! تم اپنا حال جاننا چاہو گی تمہارا آنکھوں کا میک اپ اس وقت پورے چہرے پر موجود ہے سوائے آنکھوں کے۔“ رضا شرارت سے بولا۔

”کیا۔۔۔۔۔ میں دیکھتی ہوں۔“ وہ چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھنے لگی۔

رضائے ایک جھٹکے سے وہیں بٹھا دیا اور بولا۔

”چہرہ دیکھنے کے لئے آئینہ دیکھنے کی کیا ضرورت ہے میری آنکھوں میں دیکھ لو۔“ وہ وارفتگی سے اسے دیکھتے ہوئے چہرہ قریب لے آیا تو رہا باب نے ہنستے ہوئے اس کے سینے میں منہ چھپا دیا۔

.....